ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

پاکستانی اُردو ڈراما "گُرو" میں استحصال کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Exploitation in the Pakistani Urdu Drama Guru

سیدہ فرح امیر
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر نازیہ ملک
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Syeda Farrah Amir
Ph.D Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad
farahnaveed337@gmail.com
Dr. Nazia Malik
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad
nmalik@numl.edu.pk

Article Details
Received:
May 26, 2026
Accepted:
June 15, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2026 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: This study examines the representation of child exploitation and socio-cultural marginalization in the Pakistani Urdu television drama *Guru* (2023). Directed by Hussain Abbasi and produced by Shazia Wajahat and Wajahat Rauf, *Guru* departs from conventional television themes to focus on severe societal crises affecting vulnerable populations. Through qualitative textual analysis, this paper investigates how television drama serves as a medium for public reflection and social critique. The study highlights how structural patriarchy manifests across four forms of exploitation: physical, sexual, emotional/psychological, and systemic neglect. It examines the psychological abuse faced by women and young girls, including forced infant abandonment driven by preference for male heirs and the denial of basic education. Concurrently, it addresses the intersectional marginalization of the *Khawaja Sira* (transgender) community and sex workers. A central focus is the transformative narrative of Sattar (Guru), a *Khawaja Sira* who rescues and raises an abandoned infant girl, Maryam, enabling her to become a doctor.

Key words: child exploitation, marginalization, television themes, critical necessity, legal frameworks, transgender individual

دُنیا بھر میں بچوں کا استحصال(Child Abuse)ایک سنگین اور آفاقی المیہ بن گیا ہے جو نسلِ نو کے مستقبل کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ استحصال یعنی کسی کو ہراساں کرنا کسی کو جسمانی ذہنی یا جذباتی اذیت دینا کسی کو جان بوجھ کر تکلیف پہنچانا وغیرہ۔استحصال کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً جنسی، جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، ذہنی وغیرہ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے یعنی گود کے بچے سے لے کر سو سال کے بوڑھے تک کا بھی استحصال کیا جاتا ہے۔ہر کوئی اپنے منہ سے نہیں بتاتا کہ کس نے اس کو تکلیف پہنچائی یا کس نے جان بوجھ کر یا اَن جانے میں ایسا کیا ہے۔ استحصال کے شکار اکثر لوگ خاموش ہو جاتے تھے یا انھیں زبردستی خاموش کرا دیے جاتا تھا

لیکن جوں جوں لوگوں میں شعور آنا شروع ہوا ہے اور اس کے بارے میں اسکولوں کالجز میں تعلیم دی جانے لگی ہے سب اس پر بات کرنے لگے ہیں۔ اس سب میں میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے کیوں کہ میڈیا کے ذریعے لوگوں تک بات جلدی پہنچائی جا سکتی ہے۔ آج کل گھر گھر انٹرنیٹ اور ٹیلی وژن ہے ریڑھی بان سے لے کر بڑے بڑے دفاتر میں بیٹھے لوگوں کے پاس موبائل یا لیپ ٹاپ ہیں جس پر وہ پوری دنیا کے بارے میں جان سکتے ہیں یعنی آج کا انسان دُنیا کے ہر کونے کی ہر طرح کی خبر سے باخبر ہے۔ دنیا میں کیا کیا چل رہا ہے؟ کون کیا کر رہا ہے؟ کون کس کو مار رہا ہے؟ کون کس کی حق تلفی کر رہا ہے؟ کون کس طرح سے دوسروں کا استحصال کر رہا ہے اور استحصال کی کون سی صورت میں وہ شخص شکار ہو رہا ہے؟ دُنیا میں کہاں پر استحصال کا ریشو زیادہ ہے کہاں کم ہے یہ سب ہم انٹرنیٹ کے ذریعے ایک سیکنڈ میں معلوم کر لیتے ہیں۔

اُردو ادب میں ناول اور افسانے بہت اہمیت رکھتے ہیں جن میں ناول نگار اپنے ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہو کر کہانی بُنتا ہے اور قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح ڈراما بھی اُردو ادب کی ایک صنف ہے جس میں مصنف معاشرے میں پیش آنے والے واقعات کو ایک خوبصورت پیرائے میں کہانی لکھتا اور اس کو ڈرامے کی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ڈراموں کی کہانیاں انسانوں کے رویوں اور جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ ڈرامے میں واقعات اور اشخاص کا وجود ناگزیر ہوتا ہے۔ واقعات ایک یا زیادہ اشخاص کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کو تحریر کرنے والا مصنف واقعات اور کرداروں کو ایک مخصوص نقطۂ نظر کے ماتحت ترتیب دیتا ہے۔ مصنف کا زندگی سے متعلق ایک مخصوص زاویہ ہوتا ہے۔ وہی زاویہ واقعات اور کرداروں کی پیش کش کو ناظرین تک پہنچاتا ہے۔ ڈراموں کی کہانیاں اصل میں معاشرے میں رہنے والے لوگوں کی ہی کہانیاں ہوتی ہیں جن کو ڈراما نگار، اداکار، پروڈیوسر اور ہدایت کار وغیرہ مل کر ناظرین تک پہنچاتے ہیں۔ ڈراما ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے اپنی بات لوگوں تک آسانی سے پہنچائی جا سکتی ہے یعنی اس کو ہر خاص و عام دیکھ سکتا ہے اس کے لیے پڑھے لکھے ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔ ڈراما پیش کرنا اکیلے مصنف یا پروڈیوسر کا کام نہیں بل کہ یہ سب کا مل جل کر کام ہے یعنی یہ ایسی تخلیق ہوتا ہے جس میں مصنف، اداکار، پروڈیوسر، ڈائریکٹر، کیمرا مین، تماشائی اور دیگر لوازمات سب شامل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی ڈرامے کی تعریف کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

> "ڈراما ایک ایسے فعل کا نام ہے جس میں کردار اداکار ہوتے ہیں۔ اور مکالماتی اسلوب میں حرکت و عمل، ادا اور بھاؤ کے ذریعے مختلف حالات و اثرات، تجربات و خیالات اور واردات و واقعات کو پیش کرتے ہیں اور اس ماحول میں گھرے ہوئے افراد کی ذہنی اور جذباتی کیفیتوں کو اپنے اوپر طاری کر کے اسٹیج یا رن منچ پر ظاہر کرتے ہیں۔ ایک اچھا ڈراما کئی پابندیوں کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ سب سے اہم پابندی وقت کی ہوتی ہے۔"(۱)

ڈراما معاشرے کا آئینہ ہوتا ہے جو کچھ معاشرے میں ہوتا ہے اس کا عکس ڈرامے کی صورت میں مصنف ہمیں دکھاتے ہیں۔ ڈراما حقیقت کی نقل ہے یعنی جو انسانی افعال و اعمال ہیں ان کو صرف بیان نہیں کیا جاتا بل کہ کرداروں کے ذریعے عملی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ جس ڈرامے کا تجزیاتی مطالعہ کیا جا رہا ہے وہ ایکسپریس انٹرٹینمنٹ ٹی وی چینل پر نشر ہونے والا ڈراما "گرو" ہے جس کو لکھاری نے تحریر کیا ہے اور ہدیت کار حسین عباسی، پروڈیوسر شازیہ وجاہت اور وجاہت رؤف ہیں۔ اس ڈرامے کی روایتی خان دانی چپقلش اور سازشیں نہیں دکھائی گئی بل کہ اس ڈرامے میں استحصال کی مختلف صورتوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس

میں نہایت ہی سنجیدہ سماجی موضوعات کی طرف ناظرین کی توجہ دلائی گئی ہے۔ اس ڈرامے میں بیٹیوں کا استحصال یعنی زیادہ بیٹیاں پیدا ہونے پر طعنے اور ان کو لاوارث چھوڑ دینا وغیرہ، خواجہ سراؤں کا استحصال جو معاشرے کے لوگ ان کا مذاق اُڑاتے ہیں اُن کو ہراساں کرتے ہیں۔، عورت کا معاشرے میں کیا مقام ہے اس کی مجبوریاں اور معاشرے سے ملنے والے طعنوں کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کی کہانی میں یہ تلخ حقیقت دکھائی گئی ہے کہ کس طرح معاشرے کے لوگ کم زور، غریب اور مخصوص شناخت کے حامل افراد کو جینے کا حق چھین لیتے ہیں کیسی کیسی تکالیف برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس ڈرامے کے مرکزی کردار ادا کرنے والے ادکار "علی رحمٰن خان" نے پہلی بار خواجہ سرا کا کردار ادا کیا لیکن انھوں نے جو اس میں اداکاری کی ہے وہ حقیقت سے بہت قریب تھی انھوں نے جذباتی، غصے، تکلیف اور نرم لہجے سب کیفیات کو بڑی اثر آفرینی سے پیش کیا۔ یہ ڈراما اپنے ناظرین کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ انسانیت شناخت یا جنس کی محتاج نہیں ہوتی بل کہ احساسِ ذمہ داری، سچائی اور محبت و خلوص سے پہچان ہوتی ہے۔

ڈراما "گُرو" کی مختصر کہانی: یہ ڈراما مجموعی طور پر بچی کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے جہاں فاخرہ کے ہاں پہلے ہی تین بیٹیاں ہوتی ہیں اور اب اس کے ہاں جڑواں بیٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس کے خاوند نے اُسے دھمکی دی ہوتی ہے کہ اگر اس بار بیٹا نہ ہوا تو تم اپنی بیٹی کے ساتھ اس گھر میں داخل نہ ہونا۔ اس ڈر سے وہ اپنی ایک بیٹی نرس کو دے دیتی ہے کہ یہ کسی بے اولاد کو دے دے اور دوسری کو گھر لے جاتی ہے جس کے بعد اس کی زندگی بہت مشکل میں گزرتی ہے ہر وقت بیٹیاں پیدا کرنے کا طعنہ ملتا رہتا ہے۔ بیٹیوں کو پڑھائی بھی نہیں کرنے دی جاتی کہ کیا فائدہ ان کو پڑھا کر خواہ مخواہ پیسے ضائع ہوں گے۔ دوسری طرف خواجہ سراؤں کی زندگی دکھائی گئی ہے کہ وہ کس طرح زمانے کی ٹھوکریں کھا کھا کر بڑے ہوتے ہیں اور زندگی کس کسم پُرسی میں گزارتے ہیں۔ گُرو کو بچی ریل کی پٹری کے پاس سے ملتی ہے وہ اس لاوارث بچی کو اپنے گھر لے آتا ہے اور اس کی پرورش کا ذمہ اُٹھاتا ہے۔ اس کو اپنی برادری کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور محلے کے لوگ بھی اس کو آرام سے جینے نہیں دیتے۔ وہ تکالیف اُٹھا کر اس بچی کو پڑھاتا ہے اسکول میں داخل کرواتا ہے خود کو بدل لیتا ہے صرف اُس لاوارث بچی کے لیے سب کچھ چھوڑ دیتا ہے مزدوری کرتا ہے لوگوں کے طعنے سُنتا ہے لیکن اس عزم پر ڈٹا رہتا ہے کہ وہ اس بچی کو ڈاکٹر بنائے گا۔ آخر میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ بچی بڑی ہو کر ڈاکٹر بن جاتی ہے۔ اُس کو اس کی ماں بھی مل جاتی ہے اور گُرو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس ڈرامے کی کہانی میں معاشرے کے مختلف پہلو کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اگر انسان کا عزم سچا ہے اور وہ کچھ اچھا کرنا چاہتا ہے تو راستے کی تمام رکاوٹیں ایک ایک کر کے ہٹ جاتی ہیں۔ کیسے بھی مشکل حالات ہوں جب انسان ڈٹ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے۔ اس ڈرامے کے کچھ مناظر ایسے تھے جس میں ڈراما نگار ناظرین کو دکھانا چاہتا ہے کہ معاشرے میں لوگ کیسے دوسروں کا استحصال کرتے ہیں۔ اس ڈرامے میں بیٹیوں کے ساتھ ایک باپ کی نفرت دکھائی گئی ہے کیوں کہ ہمارے معاشرے میں ہے کہ بیٹا ضرور ہونا چاہیے۔ بیٹے آخری زندگی کا سہارا ہوتے ہیں ہمارے وارث ہوتے ہیں اور بیٹیاں شادی کے بعد دوسرے گھر کی ہو جاتی ہے۔ اس کو زیادہ پڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ وغیرہ وغیرہ **عورت کی تذلیل:** بیٹیاں زیادہ پیدا ہونے پر کس طرح ایک مرد عورت کی تذلیل کرتا ہے۔ اس ڈرامے کی پہلی ہی قسط کے ایک منظر میں دکھایا گیا کہ کیسے وسیم اپنی بیوی کو دھمکی دے رہا ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی نند بھی بیٹیاں پیدا کرنے پر فاخرہ کو بے عزت کرتی ہے۔

"فاخرہ: وسیم! چلیں۔۔۔(درد سے کراہتے ہوئے)

وسیم: چلتے ہیں، رکشہ لے آؤں گا۔ اور ایک بار کان کھول کے سُن لو فاخرہ اگر اس بار بیٹا نہ ہوا سمجھ لو تمھارا اس گھر سے دانہ پانی ختم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آپا: ہاں! بیٹا تھا وہ۔ لیکن تم سے تو مجھے ایسی کوئی اُمید نہیں لگتی۔ وہ شکلیں ہی دوسری ہوتی ہیں جو بیٹے پیدا کرتی ہیں۔

وسیم: دُعا کرنا آپا!۔

آپا: دُعا تو کروں گی لیکن اُمید کوئی نہیں ہے۔" (۲)

ایک ماں اپنی لختِ جگر کو نرس کے حوالے اس لیے کرتی ہے کہ اُس کو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں میرا شوہر اس کو مار نہ دے کیوں کہ وہ بیٹیوں سے نفرت کرتا ہے اس کو صرف بیٹا چاہیے ہوتا ہے مردوں کا معاشرہ ہے۔ ایسا ہمارے ہاں ہر تیسرے گھر میں ہوتا ہے کہ عورتوں کو بیٹیاں پیدا کرنے کا قصوروار سمجھا جاتا ہے ان کو سسرال والے یا تو مار دیتے ہیں یا پھر زیادہ بیٹیاں پیدا کرنے پر طلاق دے دیتے ہیں۔ عورت ذہنی و نفسیاتی استحصال کا شکار ہوتی ہے اس وجہ سے اکثر خواتین خودکشی کر لیتی ہیں یا اپنی بچیوں کو زہر دے کر مار دیتی ہیں جیسا کہ اس ڈرامے میں ہوتا ہے کہ وہ ایک انجان عورت کو اپنی بیٹی دے دیتی ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ اس کی بیٹی کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا بس وہ شوہر کے ڈر سے یہ قدم اُٹھاتی ہے۔ اسی طرح اس ڈرامے کے ایک اور منظر وسیم اپنی بیٹیوں کو ڈانٹ رہا ہوتا ہے۔ ان کو بازوں سے پکڑ کر اندر لاتا ہے۔

وسیم: منع کیا ہے باہر نہیں جانا لیکن تم لوگ سُنتے ہی نہیں ہو۔ بالکل ماں پر گئی ہو۔ جوں تک نہیں رینگتی تمھارے کانوں پر۔ (بیوی کو دھکا دیتے ہوئے) تم بیچ میں نہ آنا ورنہ میں تمھاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ یہ سنبھالو ان کو۔ پیدا کرنے کا شوق ہوتا ہے بیٹیوں کو تو ان کی تربیت بھی کرتے ہیں۔ کہاں پھر رہیں تھیں یہ؟

فاخرہ: کھیل رہی ہوں گی بس بچیاں ہیں۔۔۔۔

وسیم: کھیل رہی ہوں گی کی بچی۔۔۔۔ بیٹیاں ہیں یہ۔۔۔ ناگن کی طرح ہیں کب ڈس دیں ماں باپ کو نہیں پتہ چلتا۔

آپا: یہ ایسے ہی منہ پھٹ ہے میری ایک نہیں سنتی۔ (بیٹا باہر سے آتا ہے) ارے آ گیا میرا شہزادہ، میرا بیٹا (اور اس کو پیار کرتی ہے)

بچی: امی امی مجھے برگر کھانا ہے۔

آپا: ارے میرا بیٹا برگر کھائے تو تم بھی کھاؤ گی۔ ارے واہ۔ بیٹا ہے بیٹا یہ یاد رکھنا۔۔۔۔ (۳)

وسیم کے ساتھ ساتھ آپا بھی ان بچیوں کو ڈانٹتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں یہ عام ہے کہ ماں بہن جو مرضی کر لیں لیکن بیوی یا بیٹی کو حق نہیں ہے اپنی زندگی جینے کا اسی لیے ڈراما نگار نے اپنے معاشرے کے چہرے سے یہ نقاب اُتارنے کی کوشش کی ہے کہ سب عورت کا احترام کریں۔ عورت بھی انسان ہے اس کو بھی جینے کا پورا حق ہے۔ مرد یہ سمجھتا کہ عورت اس کی ملکیت ہے اب اس کے

ساتھ جیسا مرضی سلوک کرے کوئی اُسے روک ٹوک نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی بیوی پر چیخ سکتا ہے اس کو مار سکتا ہے اور اُسے باہر نکلنے سے بھی روک سکتا ہے۔ اس ڈراما کے ایک اور منظر میں باپ اپنی بیٹوں کو زیادہ کھانے سے بھی منع کرتا ہے جیسا کہ

وسیم: بیٹیوں کو حساب کا کھانا کھلانا چاہیے وزن بڑھ جائے تو رشتے نہیں آتے۔ بیٹا ہوتا تو اس کو کھلاتا۔ (بیٹی کے آگے سے پلیٹ اٹھا لیتا ہے) بس جتنا کھایا ہے وہ بہت ہے جاؤ یہ برتن کچن میں رکھ آؤ تاکہ جو کھایا ہے وہ ہضم ہو۔ (۴)

ایک ایسا معاشرہ جو بچوں کے تعلیمی حقوق کو نظر انداز کرتا ہے، وہ در حقیقت اپنی ترقی کے امکانات کو خود ہی محدود کر لیتا ہے۔ بچیوں کو تعلیم کے زیور سے محروم رکھنا۔ یہ بھی ہمارے معاشرے کا ایک المیہ ہے کہ بیٹیوں کو تعلیم نہیں دلانی کیوں کہ انھوں نے آخر کو چولہا چوکا ہی کرنا ہوتا ہے اس لیے پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ادب میں سماجی حقیقتوں، ناانصافیوں اور استحصال کا عنصر شامل ہوتا ہے تو ہی ایک بہترین ادب تخلیق ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں بچیوں کی خواہشات کو دباتے اور ان کے معصوم سے ذہن میں باپ کا ڈر بیٹھنا دکھایا گیا ہے۔ اس میں مرد اور عورت کا فرق دکھایا گیا ہے۔ غربت اور محرومیوں کا ایسا جال ان بچیوں کے گرد بنا جاتا ہے کہ ان کی معصومیت اور فطری خوشیاں کہیں کھو جاتی ہیں۔ بچپن جو عام کھیل کود، آزادی کا دُور ہوتا ہے اس میں پابندیاں لگا دی جاتی ہیں یہ ذہنی استحصال کی ایک ایسی صورت ہے جس میں بچیاں اپنے احساسات فطری اظہار سے محروم ہو جاتی ہیں۔ یہی نفسیاتی گھٹن ان کے شعور کو دبا دیتی ہے اور اسے ایسی زندگی کی طرف دکھیل دیتی ہے جہاں جذبات کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ تعلیمی استحصال کسی بھی بچے کی ذہنی نشوونما اور شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ کسی بھی بچے کو تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حق سے محروم رکھا جاتا ہے یا اس کے تعلیمی سفر میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

وسیم: محلے کے اسکول میں داخل کرا لو۔

فاخرہ: کیسے باپ ہیں۔ بیٹی کو اچھے اسکول میں داخل کرائیں۔

وسیم: کیسا باپ ہوں؟ روٹی مل رہی ہے چھت بھی ہے ان کے سر پر۔ تم بیٹیاں پر بیٹیاں پیدا کرتی جاؤ اور میں ان پر خرچے کروں۔ تم یہ چاہتی ہو۔

فاخرہ: اپنی بہن کے بیٹے کو بھی تو بڑے اسکول میں داخلہ کروایا ہے نا۔ تو بیٹیوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچ سکتے؟

وسیم: فاخرہ! بیٹا ہے وہ۔ ہر وقت یہ چِیک چِیک چلتی ہے میں نے بیٹیوں کو نہیں پڑھانا۔ تم نے پڑھانا ہے تو لے جاؤ محلے کے اسکول میں۔ ان کو جو کرنے کا کام ہے وہ سکھاؤ شادیاں ہو جانی ہیں کل کو۔۔ تم کیا چاہتی ہو جو میں کماتا ہوں ان کی تعلیم پر لگا دوں کون سا ڈاکٹر انجنیئر بننا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے میں حق میں نہیں ہوں اس لیے اس بارے میں کوئی بات نہ ہو۔ (۵)

بچوں کی ذہنی نشوونما اور ان کی صلاحیتوں کے نکھار کے لیے ایسا تعلیمی نظام ضروری ہے جو انھیں خود مختاری، تخلیقی سوچ اور بہتر زندگی کے خواب دیکھنے کے قائل بنائے۔ اس ڈراما میں مصنف نے یہ بتایا کہ ایک طرف سگا باپ ہے جو بیٹیوں کی تعلیم کے حق میں نہیں ہے اور دوسری طرف ایک خواجہ سرا (گُرو/ستار) ایک لاوارث بچی کو تعلیم دلانے کے در پر ہے وہ محنت کرتا ہے اپنے آپ کو

بالکل بدل لیتا ہے اپنا کام چھوڑ دیتا ہے صرف بچی کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا ہے۔ کمیٹیاں ڈال رہا ہوتا ہے تاکہ مریم کو اچھے اسکول میں داخل کرا سکے۔ ایک قسط میں اسکول کا منظر دکھایا گیا ہے۔

ستار (گُرو): مریم ! اچھا اچھا پڑھنا اور میرا نام روشن کرنا۔ پڑھے گی نا میری مریم؟

وسیم: (اپنی بہن کے بیٹے کو وہیں چھوڑنے آتا ہے) بیٹیاں کہاں باپ کا نام روشن کرتی ہیں نام تو بیٹے روشن کرتے ہیں۔ ارے بڑا مہنگا اسکول ہے بھائی صاحب! اور بیٹی پر پیسے لگا رہے ہیں۔ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ بیٹے پر پیسے لگائیں کم از کم بڑا ہو کر واپس تو کرے۔ مرضی ہے آپ کی۔۔۔ جو دل میں آئے کریں۔۔۔۔

(۶)

وسیم کے علاوہ گھر میں آپا بھی ہر وقت فاخرہ کو بیٹیوں کے طعنے دیتی رہتی ہے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی استحصال ہے جو کہ گھر والے لگاتار کرتے ہیں۔ ایسے بچے جو مسلسل محرومی اور دباؤ کا شکار رہتے ہیں وہ اپنے ہم عمروں کے مقابلے میں زیادہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

آپا: تم نے بیٹی کیوں اسکول میں بھیجی؟ ساری دنیا جان چکی ہے کہ تُو نے بیٹیاں ہی پیدا کی ہیں اور ایک میں ہوں ایک ہی اولاد پیدا کی وہ بھی بیٹا۔

فاخرہ: سب کو معلوم ہے کہ بیٹا پیدا کرنا عورت کے اختیار میں نہیں ہے یہ مرد کے اختیار میں ہے۔

آپا: بس بس مجھے زیادہ سائنس پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کس سے پوچھ کر بیٹی کو اسکول میں بٹھایا ہے؟

فاخرہ: حریم میری بھی بیٹی ہے اُسے پڑھانا میرا حق ہے۔ اور ویسے بھی میں کسی سے خرچا تھوڑا ہی مانگ رہی ہوں میں جیسے تیسے کر لوں گی۔

آپا: واہ بھئی واہ!۔۔۔ یہاں تو مزاج ہی بدلے ہوئے ہیں۔ میڈم کے جیسے پہلے ہی دن بیٹی کمشنر لگ گئی ہو (۷)

تعلیمی اداروں میں بچے ایک دوسرے کو ہراساں کرتے ہیں۔ جس گھر میں لڑکے اور لڑکی میں تفریق کی جاتی ہے وہاں کے لڑکے اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ہم جو کریں گے ہمیں کوئی کچھ نہیں کہے گا اسی وجہ سے آپا کا بیٹا گھر میں لڑکیوں کا استحصال ہوتا دیکھتا آ رہا ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ اسکول میں بھی لڑکیوں کو تکلیف دیتا ہے ان کو ہراساں کرتا ہے اس میں ایک جگہ مصنف یہ ناظرین کو دکھاتا ہے کہ بچہ ایک بچی کو دھکا دیتا ہے۔ اسکول سے نکلتے ہوئے شیراز مریم کو دھکا دیتا ہے۔ جس پر ستار بچے کو غصہ کرتا ہے۔

ستار: تم نے میری بیٹی کو گرایا ہے۔ تمھارے ماں باپ نے تمھیں تمیز نہیں سکھائی؟ اگر میری بیٹی کو چوٹ لگ جاتی تو۔۔۔

وسیم: لگی تو نہیں چوٹ۔ کیسے بچوں کے ساتھ بات کر رہے ہو؟ یہ کوئی طریقہ ہے؟

ستار: یار کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ ایک تو اُس نے شرارت کی ہے اوپر سے آپ اپنے بیٹے کا ساتھ دے رہے ہیں۔

وسیم: بچے کب لڑتے ہیں کب کھیلتے ہیں آپ کو نہیں پتہ چلتا۔ اور اگر آپ کی بیٹی اتنی نازک ہے ناں تو اس کو گھر پر رکھو، اسکول مت بھیجو۔ میرا شیر تو ایسے ہی کھیلے گا۔ (۸)

باپ کا رویہ شروع سے ہی اپنی بیٹیوں کے ساتھ اچھا نہیں تھا حالاں کہ بیٹی کی شادی بھی کر دی جاتی ہے اور جب وہ باپ کے گھر آتی ہے تو باپ اُس وقت بھی بیٹی کو ہی بُرا بھلا کہتا ہے وہ باپ کے پاس اُمید سے آتی ہے پر باپ تو پہلے ہی بیٹیوں سے تنگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس منظر میں ہوتا ہے۔

بڑی بیٹی کو خاوند نے مارا تو وہ باپ کے گھر آتی ہے۔

وسیم: تو کیوں آئی ہے اس وقت یہاں؟

بیٹی: امی شوکت نے مجھے بہت مارا ہے۔

وسیم: تو میں کیا کروں۔ باپ ہوں لیکن میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے اس کی شادی کر دی اس کو اس کے گھر کا کر دیا اب یہ جانے اور اس کا شوہر جانے۔

بیٹی: امی شوکت بہت مارتا ہے میرے کان سے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔

فاخرہ: روز روز کی کہانی ہے روز روز کا تماشا ہے اس کا۔ اتنی بدردی سے مارا ہے اس کو بس بہت ہو گیا۔ پولیس کا کیس بنتا اگر آج اس کا ہاتھ نہ روکا تو کل وہ میری بچی کو مار دے گا۔

وسیم: خبر دار! خبر دار جو ایک قدم بھی باہر نکالا تو رہتی سہتی عزت ہے وہ بھی نیلام کرنے پر تُلی ہوئی ہو۔

فاخرہ: تو کیا کریں مر وادیں اپنی بیٹی کو؟

وسیم: اتنی آسانی سے جان تھوڑی چھوڑتی ہیں۔۔۔۔۔۔ (بیٹی کے لیے ایک باپ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے) (۹)

اس ڈرامے میں مصنف نے صرف ایک استحصالی پہلو پر بات نہیں کی بل کہ اس نے معاشرے دوسرے کے مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے عورت اور بچیوں کے استحصال کے ساتھ ساتھ خواجہ سرا اور طوائف کی زندگی کے مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ یعنی دُنیا میں خواجہ سرا کو بچپن میں ہی گھر سے نکال دیا جاتا ہے ان سے سب تعلق ختم کر لیے جاتے ہیں اور ان کے ماں باپ یا بہن بھائی کہلانا اپنی توہین سمجھتے ہیں اس لیے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ معاشرے کا ٹھکرایا ہوا طبقہ ہوتا ہے اس ڈرامے میں بھی یہی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن مصنف نے ان کا مثبت پہلو اپنے ناظرین کو پیش کیا ہے کہ ایک لاوارث بچی کو سہارا دیا اپنا نام دیا اور اس ایک بچی کی خاطر

اپنے کام کو چھوڑ دیا محنت مزدوری شروع کر دی تا کہ بچی کو بڑے ہو کر شرمندگی نہ ہو۔ کسی کے لیے اپنی زندگی ہی بدل دینا یہ ہوتی ہے نیکی۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور ان کے راستے آسان ہوتے جاتے ہیں ایسے لوگوں کو ہی دیکھ کر لوگ سیدھے راستے پر آتے ہیں۔

گُرو کو ایک بچی گھر کے پاس سے ملتی ہے۔ وہ اس کو لے آتا ہے

ثریا: ہائے گُرو یہ کس کا بچہ اُٹھا لائے ہیں؟

گُرو: پتہ نہیں۔ یہاں آس پاس بھی کوئی نظر نہیں آ رہا۔

ثریا: گُرو! اس کو یہیں پھینک دیں کوئی مصیبت ہی گلے نہ پڑ جائے۔

گُرو: تو کیا ثریا اس کو میں یہاں کُتوں کے پاس چھوڑ دوں۔ لوگ نیکیاں دریا میں ڈال دیتے ہیں اور گناہوں کو کچرے میں پھینک دیتے ہیں۔ چل اس کو لے کر چلتے ہیں۔

بجلی: ہائے او ربا!۔۔۔ کس کا بچہ اُٹھا کر لے آئے؟ کیا ہو گا کوئی مصیبت تو نہیں لے کر آ گئے گُرو؟

گُرو: پاگل تو نہیں ہو گئی بجلی انسان کا بچہ ہے کیا کُتوں کے کھانے کے لیے چھوڑ آتی۔

بجلی: ہائے! کون خبیث اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ اسے چیک کرو لڑکا ہے یا لڑکی۔ ضرور کوئی اپنا حرام کا جنا چھوڑ کر گیا ہو گا۔

گُرو: نجانے کس کا گناہ ہے یا مصیبت کا مارا اسے چھوڑ گیا۔"

ثریا: گُرو! اب ہم کیا کریں گے؟ عجیب امتحان ہے اب ہمیں یہ سب کچھ کرنا بھی نہیں آتا۔

گُرو: امتحان تو وہ ہمیشہ اپنے پیاروں سے لیتا ہے۔ شکر کر ثریا اُس نے ہمیں اپنا پیارا تو سمجھا۔ ہمیں تو کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔

ثریا: گُرو! کیا ہو گیا ہے تمھیں۔۔۔؟

گُرو: پتہ نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اندر سے کوئی جھاڑو چلا رہا ہے۔ جیسے کے ایک دن میں ہی سارا کوڑا صاف ہو جائے گا۔۔۔۔۔

ثریا: کتنی پیاری بچی ہے اس پر رحم کریں گے تو اللہ خوش ہو گا۔

بجلی: ہم پر کسی نے رحم کیا ہے۔۔۔ میں تو رحم کا مطلب ہی بھول چکی ہوں۔

(۱۰)

مصنف نے جہاں خواجہ سرا کے کردار کو ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے وہاں ہمسائیوں کا کردار بھی دکھایا کہ وہ دوسروں کی زندگی میں کان سوئیاں لیتے ہیں یعنی دوسروں کی زندگی عذاب بناتے ہیں ایسے ہی زمان اور اس کی بیوی تھے جن کی اپنی اولاد نہیں ہوتی اور دوسروں کے گھروں میں جھانکتے تھے۔ ہمسائے میاں بیوی آپس میں بات کرتے ہیں۔

بیوی: میں جو خبر دے رہی ہوں وہ سن لے۔

زمان: سُنا۔

بیوی: میں کہہ رہی ہوں رات سے کسی بچے کی رونے کی آوازیں آرہی ہے۔

زمان: گُرو کے گھر سے بچے کیا آواز۔ تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے؟؟؟ خسروں کے ہاں بچی کہاں سے آئے گی؟

بیوی: یہی تو میں سوچ رہی ہوں۔۔۔۔ بار بار رونے کا آواز آرہی ہے۔ یہ لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں لگتا ہے کسی کی بچی اُٹھا کر لے آئے ہیں۔ کن سوئیاں لیتے ہوئے۔ مجھے تو ان لوگوں کا کام ہی یہی لگتا ہے۔

زمان: ہمارے پاس اچھا موقع ہے کھسرے پڑوسیوں سے جان چھڑانے کا۔ اب تو دیکھ زوار کرتا کیا ہے۔ ہاہاہاہا (۱۱)

زمان پولیس لے کر آجاتا ہے۔ تاکہ ان کو اس محلے سے نکلوائیں لیکن ماسٹر صاحب کی وجہ سے ستار گُرو کو پولیس کچھ نہیں کہتی۔ ستار گُرو مریم کی پرورش کرتا ہے اور اس کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا تھا کیوں کہ اس نے خود تو تعلیم نہیں حاصل کی تھی کیوں کہ گھر سے نکال دیا گیا تھا اور ٹولی میں رہنے سے تعلیم سے بہرامند نہیں ہوا تھا۔ گُرو مریم کو بڑے سے بڑے اسکول میں داخل کرانا چاہتا ہے جس پر ماسٹر صاحب اس کو سمجھاتے ہیں کہ گھر کا ماحول بدلو اور تم گُرو سے عبدالستار بنو۔ تاکہ وہ بچی باپ کے روپ میں دیکھے۔ ماسٹر صاحب اس کو کہتے ہیں کہ وہ چھوٹے اسکولوں میں داخل کرادو بڑے اسکولوں کی فیس بہت زیادہ ہے۔ مولوی صاحب بھی خوش ہوتے ہیں کہ اس نے اپنے کو بدلہ ہے۔ ثریا بھی لڑکا بن جاتا ہے اور نام سلیمان رکھ لیتا ہے۔ ماسٹر صاحب مریم کو پڑھاتے ہیں۔ دُنیا اچھے لوگوں کی وجہ سے ہی قائم ہے۔

ستار: بجلی تو کبھی اسکول گئی ہوتی تو تجھے پتہ چلتا کہ تعلیم کی اہمیت۔

بجلی: یہ تو نصیب کی بات ہے۔ پیدا ہوتے ہی گھر سے نکالا لوگوں کی ٹھوکریں ملیں۔ مریم کو گُرو مل گئے تو ہم کہاں جا کر پڑھتے۔ (۱۲)

خواجہ سرا کے لیے نہ ہی کوئی اسکول بنائے جاتے ہیں نہ ہی ان کو تعلیم حاصل کرنے کا حق نہیں دیا جاتا۔ ان کو بھی دل ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی طرح زندگی گزاریں لیکن لوگ ان کو ایسا نہیں کرنے دیتے اُن کی زندگی دُکھ اور تکلیف میں گزرتی ہے اس ڈرامے میں مصنف نے جو مکالمے لکھے ہیں وہ دل کو چھو جاتے ہیں۔

بجلی اور کشش دونوں مریم کو بیچ دیتے ہیں۔

بجلی: ہم اپنی مریم کو آئس کریم کھلانے لے جائیں۔ چلو مریم

ثریا: بھئی ایک کام کرتے ہیں۔ تم سب یہیں بیٹھو میں آئس کریم لے کر آتا ہوں۔۔۔۔۔۔(اور مریم کو لے جاتے ہیں۔)

مریم: میں کیوں گاڑی میں بیٹھوں۔

جھورے: یہ لے پیسے اور نکل یہاں سے۔۔۔۔اور مریم کو گاڑی میں بیٹھا کر لے جاتا ہے۔

مریم: میں نے بابا کے پاس جانا ہے بس۔۔۔۔

جھورے استاد مریم کو طوائف کے پاس بیچ دیتا ہے۔ (۱۳)

مصنف نے کمال کے مکالمے لکھے ہیں جس کو دیکھ اور سن کر لگتا ہے کہ مصنف نے بہت گہرائی سے مشاہدہ کیا ہے اور ستار اور مونا کے درمیان کی گفت گو کو ناظرین کے سامنے پیش کیا۔ جیسا کہ قسط ۱۰ میں مریم کو کوٹھے میں بیچ دیتے ہیں اور پھر ستار مار کھا کر بھی پیچھے نہیں ہٹتا اور آخر مریم کو ساتھ لے کر ہی جاتا ہے۔

ستار (گُرو): بیگم صاحبہ! میرا کوئی نہیں ہے۔ میں جب چھوٹی تھی تو میرا باپ مجھے بازار میں چھوڑ کر پتہ نہیں کہاں چلا گیا۔ پھر وہ کبھی نہیں ملے۔ ہم دُنیا کے ٹھکرائے ہوئے لوگ ہیں۔ ہمیں کوئی قبول نہیں کرتا۔ پتہ نہیں لوگ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی انسان سمجھتے ہیں۔ ہمارے بھی جذبات ہیں دل ہے جی ہمارے اندر بھی محبت کرنے کا حق ہمیں بھی ہے۔ چاہے جانے کا ہمیں بھی دل کرتا ہے دُکھ بھی ہوتا ہے خوشی بھی ہوتی ہے لیکن کوئی تو انھیں سمجھائے اس دُنیا والوں کو کہ ہم بھی انسان ہیں یار۔ آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا ہو گا کوئی بات نہیں۔ آپ بھی تو اس دُنیا کی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

طوائف: رکو گُرو!۔۔۔۔۔تم میں اور ہم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم لوگ کسی اور طرح دھتکارے جاتے ہو اور ہم کسی اور طرح دھتکارے جاتے ہیں۔ لوگ ہمارے جذبات کا مذاق اُڑاتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ میں سات سال کی تھی جب میں اپنے گھر والوں سے بچھڑ گئی تھی۔ تب سے اب تک لوگوں کے ہاتھوں بک رہی ہوں۔ تم ایک عظیم انسان ہو گُرو!(۱۴)

اس منظر میں مونا اپنا بھی دُکھ بیان کرتی ہے۔ مصنف نے بتانے کی کوشش کی ہے کہ طوائف بھی انسان ہوتی ہیں وہ اپنی مرضی سے اس پیشے کو نہیں اپناتی ان کو لوگ اغوا کرتے ہیں اور ان کو کوٹھے پر لا کر بیچ دیتے ہیں ان بچیوں کا استحصال کیا جاتا ہے جو جنسی، جسمانی، ذہنی و نفسیاتی استحصال کی تمام صورتیں پیش ہوتی ہیں۔ جیسے کہ اس ڈرامے میں مونا طوائف کو دکھایا گیا ہے۔ یہ بھی وہ طبقہ ہے جو دُنیا کا ٹھکرایا گیا ہے لوگ چھپ کر تو ان کے پاس جاتے ہیں لیکن روشنی میں ان کو جاننے سے انکار کرتے ہیں۔ ستار گُرو کے عمل کو دیکھ کر مونا بھی اپنی کہانی سناتی ہے کہ وہ سات سال کی تھی جب اس کو اس کوٹھے پر لایا گیا تھا اصل میں وہ اسی طرح ایک عام خان دان سے تعلق رکھتی تھی۔

جائز اولاد ہے یا کسی کا گناہ۔

ستار (گُرو): میری ساری زندگی کی محنت پر تُو نے پانی پھیر دیا ہے میں تجھے بد دُعا دیتی ہوں۔ کہ تُو زندگی میں کبھی خوش نہ رہے گا۔

زمان: ہاہاہاہاہاتم لوگوں کی بد دعا لگ جاتی ہے ایسا لوگ کہتے ہیں۔ میں نہیں مانتا۔

ستار: یہ ایک باپ کی بد دعا ہے زمان۔ تو برباد ہو جائے گا۔

زمان: بات سُن باپ کی بد دعا۔ اپنی اوقات بھول رہا ہے۔ گُرو! خواجہ سرا اور باپ ایسے کیوں ہنسواتا ہے اپنے آپ پر۔ تُو خواجہ سرا ہے باپ نہیں ہے خواجہ سرا کی بیٹی نہیں ہوتی۔ (۱۵)

ہمسائے کا کردار جو اس ڈرامے میں واحد منفی کردار تھا جو ہر وقت ستار گُرو کی ٹو میں رہتا ہے اور آ کر ان کو تنگ کرتا ہے۔ جو دوسروں کو تنگ کرتے ہیں اور جس کی زندگی کا مقصد ہی دوسروں کو تنگ کرنا ہے ان کا انجام بھی بُرا ہی ہوتا ہے۔

مریم: جن کے ساتھ میرا خون کا رشتہ تھا وہ مجھے یوں ہی سڑک پر چھوڑ کر چلے گئے۔

ستار: مریم بیٹا! یہ اکثر اپنے ہی راستے میں چھوڑتے ہیں

مریم: لیکن کیوں؟ کیوں چلے گئے؟

ستار: اس کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں۔

مریم: جواب تو میں لے کر رہوں گی۔ (۱۶)

مصنف نے بچوں کے استحصال کی جو صورت اس ڈرامے میں دکھائی ہے کہ باپ بیٹی سے نفرت کرتا ہے اور اس ڈر سے ماں اپنی بیٹی کو گھر میں نہیں لاتی اس طرح کا استحصال ہمارے معاشرے میں عام ہے کہ بیٹیاں پیدا ہونے پر کیا کیا ظلم کیا جاتا ہے جیسے آج سے ہزاروں سال پہلے اسلام سے پہلے لوگ پیدا ہوتے ساتھ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ وہی ذہنیت آج بھی ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ جو ذہنیت اُس وقت تھی وہی آج بھی ہے یہی مصنف لکھاری نے اس ڈرامے میں ناظرین کو دکھایا ہے۔ مریم کے نام سے دنیا کی تمام بیٹیوں کی کہانی ہے جو اس استحصال کا شکار ہوتی ہیں۔

مریم: میں اپنے والدین کا پتہ جاننا چاہتی ہوں کہ کیوں انھوں نے مجھے ہاسپٹل میں چھوڑ کر چلے گئے۔ میں اب اسی ہاسپٹل میں ڈاکٹر ہوں۔ میں اپنے والدین کو ڈھونڈ رہی ہوں آپ مجھے پلیز مجھے بتائیں گی میرے والدین نے مجھے کیوں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کیا ہوا تھا؟

نرس: تمھارے والدین نہیں صرف تمھارے بابا!۔۔۔ تمھاری ماں بے چاری تو دوہائیاں دیتی رہیں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر۔

مریم: میری ماں!۔۔۔ کون تھی میری ماں۔۔۔۔ کیا ہوا تھا کیا آپ مجھے سب کچھ بتا سکتی ہیں؟

نرس: میں اس رات ڈیوٹی پر تھی ایک عورت ڈلیوری کے لیے آئی۔

فاخرہ: میرے شوہر کو بیٹیوں سے نفرت ہے خدا کے لیے ایک بیٹی کو لے جاؤ ورنہ وہ بچی کو اور مجھے مار دے گا۔

مریم: اپنی پیدائش کی کہانی سُن کر ایسا لگ رہا ہے مجھے سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔۔۔۔۔

ستار: بدنصیب وہ ہیں جنھوں نے تمھیں رکھنے سے انکار کر دیا۔

مریم: مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں یہاں پہلے بھی آئی ہوں۔ یہ جگہ میں نے پہلے بھی دیکھی ہوئی ہے۔

موناطوائف: ارے اسغفار پڑھو یہاں کیوں آنے لگی یہاں تو وہ آتے ہیں جن کا کوئی نہیں ہوتا یا جن کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ یا جن کے ماں باپ نہیں ہوتے۔ ماں کا پتہ ہوتا ہے باپ کا پتہ نہیں ہوتا۔ تم تو پڑھی لکھی لڑکی ہو جس کے ماں باپ نے پڑھا لکھا کر ڈاکٹر بنایا ہے (۱۷)

مریم: ایسا کیا ہے یہاں پر۔۔۔۔

موناطوائف: ایسا کیا۔۔۔ کوٹھا ہے ڈاکٹر صاحبہ۔۔۔۔ (گُرو کو دیکھ کر پہچان جاتی ہے کہ یہ مریم وہی بچی ہے) تم جیت گئے گُرو۔ تم نے ایک بچی کو ڈاکٹر بنا لیا۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر مونا استاد صاحب کو کہتی ہے کہ

اب ہمارے کوٹھے میں جو بچی آئے گی اس کے پیروں میں گھنگرو نہیں ہاتھوں میں کتابیں ہوں گی۔ ہم بچیوں کو تعلیم دلوائیں گے خود محنت کر کے کمائیں گے۔ ہمیں اللہ نے اتنے موقع ملے اور ہم نے ضائع کیے اور اس گُرو کو دیکھیں اللہ نے اسے ایک موقع دیا اور وہ زندگی سنوار گیا۔ وہ تو خواجہ سرا ہے لیکن ہم تو ہم جنس ہیں نا ۔ نہیں استاد جی اب نہیں۔ آج کے بعد جو یہاں آئے گا صرف پڑھے گا۔ (۱۸)

ڈرامے کے آخر میں ستار فوت ہو جاتا ہے اور اس کا جنازہ دکھایا گیا ہے یہ ایک ایسا منظر تھا جو انسان کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے اکثر عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ خواجہ سراؤں کا جنازہ نہیں ہوتا لیکن یہاں جنازے میں یہ بھی لوگوں کو پیغام دیا گیا ہے کہ طبقات کچھ نہیں ہوتے اصل انسانیت ہے اور جو انسانیت کی خدمت کرتا ہے اچھا رویہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے راستے آسان کرتا جاتا ہے اور عزت سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ ڈرامے کے آخر میں مریم گُرو ستار میموریل ٹرسٹ کا افتتاح کرتی ہے۔ جس میں وہ ستار کے اعزاز میں تقریر کرتی ہے۔

مریم: اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو تخلیق کیا کسی کو مجھ جیسا بنایا کسی کو آپ جیسا بنایا لیکن کسی کو بھی بے مقصد نہیں بنایا۔ ہر انسان کا اس دنیا میں آنے کا کوئی مقصد ہے۔ اور اس مقصد کو جھٹلانے والے دُنیا کے وجود سے ہی مٹ جاتے

ہیں۔ خواجہ سرا ان کو بھی اللہ تعالیٰ ہی بناتا ہے ان کو ناکارہ سمجھتے ہیں جب کے یہ تو سب سے حساس لوگ ہوتے ہیں نرم مزاج ایسے کہ موم سے بھی زیادہ نرم اور جب کوئی ارادہ کر لیں تو وہ چٹان سے بھی زیادہ سخت۔ میں آج جو کچھ بھی ہوں میرے بابا گُرو ستار کے مضبوط ارادوں کی وجہ سے ہوں۔ میں تو سڑک پر پڑی ہوئی ایک بچی تھی ایک دن کی بچی کو انھوں نے ڈاکٹر بنا دیا۔ ایسی بے لوث محبت کون کر سکتا ہے کسی سے یقیناً آپ کے ماں باپ کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم بھی اپنی سوچ کو بدلیں جیسے میرے بابا نے میری زندگی بدل ڈالی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ ایک ٹریننگ انسٹیٹوٹ ہے جہاں خواجہ سراؤں کو زندگی کے مختلف ہُنر سکھائے جائیں گے۔ اور گُرو ستار کی یاد میں لاوارث بچے اور بچیوں کی پرورش کی جائے گی۔ تاکہ کوئی بھی بچہ لاوارث نہ رہ جائے۔۔۔۔۔۔ (۱۹)

اس ڈرامے کے مصنف نے بہت گہرائی سے خواجہ سرا، طوائف، ماں کی مجبوری اور لاوارث بچوں کی نفسیات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے معاشرے کے افراد کس طرح ان بے چارے لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے کہ ایک دن اللہ کی پکڑ میں آئیں گے۔ عام طور پر بچوں کا استحصال کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن کبھی کسی نے لاوارث بچے کے استحصال کا ذکر نہیں کیا یا بہت کم کہیں بات کی گئی ہو گی۔ وہ بچے جن کو ان کی مائیں یا باپ اپنا گناہ چھپانے کے لیے کچرے کے ڈھیر میں یا کسی یتیم خانے کے باہر چھوڑ جاتے ہیں اُن بچوں کی زندگی کیا ہو گی؟ یہ کسی نے سوچا کہ یہ تو استحصال کی تمام صورتوں سے اوپر کی صورت ہوتی ہے جس میں اُس کو اِس دُنیا میں نہ آنے کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور نہ اس بچے، بچی یا تیسری جنس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس کا یا کس کی چشم و چراغ ہے۔ سب سے پہلا دُکھ اُس بچے کا یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں صرف اور صرف اس کو دھتکار ملتی ہے۔ حالاں کہ دیکھا جائے تو اس میں اُس بچے کا کوئی قصور نہیں ہوتا نہ ہی اُس نے کوئی فرمائش ہوتی ہے کہ مجھے پیدا کر اور پھر پیدا کر کے ایسے پھینک دے۔ ایسے بچوں کو زندگی میں اور کتنے دُکھ جھیلنے ہوتے ہیں یہ تو جب وہ معاشرے میں کام کاج یا پڑھائی کے لیے باہر نکلتے ہیں تو اُن کو معلوم ہوتا ہے جب زمانے کے طعنوں کے تھپیڑے لگتے ہیں۔

جس طرح اس ڈرامے میں مریم کا استحصال پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے جب ایک نرس اُس کو منہ اندھیرے میں ویرانے میں چھوڑ آتی ہے۔ فاخرہ اپنے جسم کا حصّہ جو نو مہینے اپنے پیٹ میں سینچنے کے بعد یہ سوچے بغیر کہ اس بچی کو دے دیتی ہے شوہر کے ڈر سے جہاں نہیں معلوم کہ اس بچے کے ساتھ کیا ہو گا کوئی جانور اس کو نوچ کھائے گا یا کوئی درندہ صفت انسان اُس کو لے جائے گا۔ ایسے بچے اگر زندہ بچ بھی جائیں تو اکثر ان کو وہ لوگ لے جاتے ہیں جو چھوٹے بچوں کا دھندہ کرتے ہیں۔ ان بچوں میں سے بچی کو طوائف یا جسم فروشی کے اڈے پر پہنچا دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو بردہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ تو اس مریم کی قسمت اچھی ہوتی ہے کہ اس کو ایک خواجہ سرا استاد عرف گُرو اُٹھا کر لے جاتا ہے جو خود زمانے کا ٹھکرایا ہوا ہوتا ہے لیکن اس لاوارث بچی کو سینے کے ساتھ لگا لیتا ہے باپ کا پیار دیتا ہے۔

تیسری جنس کا بچہ یعنی مخنث پیدا ہو جائے تو پہلے ماں کا ہی جینا حرام کر دیا جاتا ہے کہ شاید اس کے کسی گناہ کی سزا ہے جو ایسا بچہ پیدا ہو گیا۔ اس بچے کو گھر کا کوئی فرد قبول نہیں کرتا اور اُس کو ساری زندگی کے لیے اپنے سے دُور کر دیا جاتا ہے اُن کو خواجہ سراؤں کے

گُرو آ کر لے جاتے ہیں جہاں انھوں نے باقی زندگی گزارنی ہوتی ہے اُن کا جذباتی نفسیاتی استحصال اُس دن سے شروع ہو جاتا ہے جب گھر والے ان سے قطع تعلق ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کو بھی ان لاوارث بچوں کی طرح دھتکارا جاتا ہے۔ معاشرے کے چند نام کے عزت دار لوگ ان کے ساتھ ہر قسم کا استحصال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ بچے معاشرے کے لیے ایک مذاق بن جاتے ہیں روز ان کا جذباتی و نفسیاتی استحصال ہوتا ہے۔ کوئی ان کے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کرتا ان کے ساتھ زبردستی جنسی تعلق قائم کرتے ہیں، ان کو گلی چوراہوں میں مانگنے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ زیادہ تر یہ غریب و مفلس گھرانے کے بچے ہوتے ہیں اگر کسی بہت ہی امیر گھرانے کا چشم و چراغ ہو گا یعنی کسی بادشاہ یا صدر کا بیٹا مخنث ہو گا تو اُس کو معاشرے میں بڑی عزت کے ساتھ گھر میں رکھا جاتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا سٹائل ہی ایسا ہے۔ یہ صرف ایشیاء کے ممالک میں نہیں ہوتا بل کہ یورپ میں بھی بالکل ایسی ہی صورت حال ہے استحصال ہر علاقے ہر ملک میں ایک جیسا ہی ہو رہا ہوتا ہے۔ ظالم لوگ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

بچوں کے استحصال پر دُنیا بھر کے ادیبوں، لکھاریوں، افسانا نگاروں، ناول نگاروں، دانش وروں، کالم نگاروں نے قلم اُٹھایا ہے اور بچوں کے حق اور انصاف کے لیے لکھ رہے ہیں، ڈراما نگاروں نے ڈرامے لکھے جس میں بچوں کے استحصال کی تمام صورتوں کو موضوع بنایا ہے۔ ادب نے بچوں کے استحصال کو موضوع بنا کر بڑے بڑے ناول اور افسانے لکھے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آرٹیکل لکھنے، کالم لکھنے یا ڈرامے پیش کرنے سے تب فائدہ ہو گا جب معاشرے کی سوچ بدلے گی، جب بیٹیاں بوجھ نہیں لگیں گی، جب بیٹی اور بیٹے کی پیدائش میں فرق نہیں کیا جائے گا، جب بیٹی کو بھی پورے حقوق ملیں گے اور جب ان کالی بھیڑوں کا صفایا ہو گا۔ ہر ملک والے سخت سے سخت قوانین بنائیں اور مجرم کو سخت سزائیں دیں۔ بچوں کی پیدائش سے لے کر بڑے ہونے تک سب کا ڈیٹا موجود ہونا چاہیے۔ ان کی پیدائش کا باقاعدہ اندراج ہونا چاہیے۔ بچہ، بچی یا مخنث (تیسری جنس) ہو ان کو مکمل حقوق ملیں زندگی گزارنے کا جس طرح ایک عام شہری کو حق حاصل ہو اسی طرح ان لاوارث بچوں کو بھی عام شہری کی طرح رہنے کا حق ہو۔ بڑے بڑے حکومتی ادارے اور این جی اوز (NGOs) سب مل کر بچوں کو تحفظ مہیا کریں ان کی زندگی آسان بنائیں اور جو لوگ بچوں کی اسمگلنگ کرتے ہیں ان کو کڑی سے کڑی سزا دیں۔

معصوم بچوں کو مزدوری کرنے سے روکیں بھیک مانگنے پر مکمل پابندی عائد کریں تاکہ کوئی بچے اغوا کر کے ان کو معذور کر کے چوراہے پر نہ بیٹھائے، کوئی معذور بچے کا استحصال نہ کرے، کوئی کسی کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھے، کوئی ماں کسی مجبوری پر اپنے دل کا ٹکڑا ایسے گلی کوچوں میں بھٹکنے نہ دے، کوئی ان بچوں کو یتیم خانے میں سے آ کر زبردستی نہ لے جائے، کوئی خواجہ سرا ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارے، کوئی لاوارث بچی یا بچے کو اپنی ہوس کا نشانہ نہ بنائے، کوئی دوسروں کے بچوں کو صرف استعمال اور اپنا غلام نہ بنائے، کوئی کسی بچے یا بچی کو چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر اس قدر زدوکوب نہ کرے کہ ان کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ جائیں، کوئی تعلیم کے نام پر بچوں کا استحصال نہ کریں، کوئی دینی تعلیم کی آڑ میں بچوں کے ساتھ جنسی تعلق نہ قائم کرے اور نہ ہی جسمانی تشدد کرے، کوئی اپنے چھوٹے بہن بھائی یا کزن کے ساتھ جنسی روابط نہ رکھے، کوئی تو ہو جو بچوں کی حفاظت کی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھائے، کوئی تو ہو جو ان معصوم کلیوں کو مسلنے سے باز آئے، کوئی تو ہو جو ان معصوم ذہنوں میں ابھرنے والے خیالات کی پاسداری کرے، ان معصوم بچوں جو فرشتوں کی طرح ہوتے ہیں اس دُنیا میں محفوظ اور آزاد زندگی گزار سکے۔ اس دُنیا میں آنے کا مقصد سمجھ سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خوب صورت دُنیا کو انسانوں کے لیے تخلیق کی ہے اس میں ہم انسان اشرف المخلوقات کی صورت میں وارد ہوئے ہیں تو ہمیں اپنے آپ کو اشرف ہی بنانا ہے۔ اس کے لیے قدم بڑھانا ہے کہ سب مل کر اس دُنیا کو ویسا ہی بنائیں جیسا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔

لکھاری صاحب نے یہ ڈراما لکھ کر معاشرے کے لوگوں کو یہ شعور دینے کی کوشش کی ہے کہ جہاں ظالم مظلوم پر ظلم کرتا ہے تو وہاں اللہ تعالیٰ کا مسیحا بھی آتا جو مظلوم کو بچاتا ہے اور اس کو جینے کا حق دیتا ہے۔ انسانیت اسی کو کہتے ہیں کہ انسان کو انسان سمجھیں۔ اس ڈرامے کے اداکاروں نے بھی بہترین اداکاری کے جوہر دکھائے اور جو پیغام ناظرین تک پہنچانا چاہتے تھے اچھے طریقے سے پہنچ دیا۔ ڈرامے کا اختتام اسی فکری مقدمے کو اپنے منطقی انجام تک پہنچاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ہاشمی، قمر اعظم، ڈاکٹر، اُردو ڈراما نگاری (تاریخ و تنقید کی روشنی میں)، کتابستان، چندوارہ، مظفر پور، بھار (بھارت)، ۲۰۰۲ء، ص ۳۲

۲۔ ڈراما "گُرو" قسط:۱۔ منظر ۵:۵۰ منٹ سے ۹:۳۵ منٹ

۳۔ قسط:۳۔ منظر ۶:۱۶ منٹ سے ۸:۲۵ منٹ

۴۔ قسط:۳۔ منظر ۱۵:۰۰ منٹ سے ۱۶:۱۶ منٹ

۵۔ قسط:۴۔ منظر ۲۶:۴۰ منٹ سے ۲۸:۵۰ منٹ

۶۔ قسط۔۶: منظر ۵:۵۵ منٹ سے ۷:۰۰ منٹ

۷۔ قسط۔۶۔ منظر ۸:۴۵ منٹ سے ۱۰:۴۷ منٹ

۸۔ قسط:۶۔ منظر۔ ۱۲:۰۰ منٹ سے ۱۳:۳۵ منٹ

۹۔ قسط:۱۲۔ منظر ۴:۱۸ منٹ سے ۵:۱۰ منٹ

۱۰۔ قسط:۱۔ منظر ۱۳:۲۸ منٹ سے ۱۵:۱۸ منٹ

۱۱۔ قسط:۱۔ منظر ۳۱:۴۵ منٹ سے ۳۵:۰۰ منٹ

۱۲۔ قسط:۷۔ منظر ۱۸:۳۰ منٹ سے ۱۸:۵۰ منٹ

۱۳۔ قسط:۸۔ منظر ۶:۱۰ منٹ سے ۹:۵۰ منٹ

۱۴۔ قسط:۱۰۔ منظر ۲۴:۲۰ منٹ سے ۲۸:۴۰ منٹ

۱۵۔ قسط:۲۰۔ منظر ۶:۳۷ منٹ سے ۷:۰۶ منٹ

۱۶۔ قسط:۲۱ منظر ۱۳:۱۵ منٹ ۱۴:۱۲ منٹ

۱۷۔ قسط:۲۴ منظر: ۵:۳۰ منٹ سے ۷:۱۲ منٹ

۱۸۔ قسط:۲۵۔ منظر ۳:۴۰ منٹ سے ۶:۱۶ منٹ

۱۹۔ قسط:۲۹۔ ۳۱:۵۰ منٹ سے ۳۵:۰۰ منٹ

References in Roman Script:

1. Hashmi, Qamer-e- Azam, Dr, Urdu Drama nigari(Tarikh o tanqeed ki Roshni mein), 3rd addition mah ezafa, kitabistan, chndwara, Mazafrpur, Bha (Bharat), 2002,p32.

2. Drama: "Guru"2023, episode:1. scene 5:50min to 9:35min.
3. episode:3. scene 6:16min to 8:25min
4. episode:3. scene 15:00min to 16:16min
5. episode:4. scene 26:40min to 28:50min
6. episode:6. scene 5:55min to 7:00min
7. episode:6. scene 8:45min to 10:47min
8. episode:6. scene 12:00min to 13:35min
9. episode:12. scene 4:18min to 5:10min
10. episode:1. scene 13:28min to 15:18min
11. episode:1. scene 31:45min to 35:00min
12. episode:7. scene 18:30min to 18:50min
13. episode:8. Scene6:10min to 9:50min
14. episode:10. scene 24:20min to 28:40min
15. episode:20. scene 6:37min to 7:06min
16. episode:21 scene 13:15min to 14:12min
17. episode:24. scene 5:30min to 7:12min
18. episode:25. scene 3:40min to 6:16min
19. episode:29. scene 31:50min to 35:00min